کاغذ اور کنگن

زویا حسن

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

کاغذ اور کنگن

زویا حسن

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

کاغذ اور کفن

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ کمپوزنگ ٹیم

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود ناولز بالکل مفت ہیں۔اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ جو لوگ وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈاؤنلوڈ کر لیں۔اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔مزید معلومات کے لئے،

سپر موڈز: صبا گل، تتلی، ٹیم لیڈر: ایم وائے صائم، مینجمنٹ: حسیب یا وقار سے رابطہ کریں، شکریہ

کئی مہینوں بعد جب سارہ کی کال آئی تو میرے چہرے پہ ایک مسکراہٹ سی پھیل گئی۔ بچپن کے دوستوں کے ساتھ ایک عجیب طرح کا انس ہوتا ہے۔ چاہے سالوں بعد رابطہ ہو لیکن بچپن کی وہ خوشبو ضرور محسوس ہوتی ہے۔ سارہ مجھے اپنے گھر بلا رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ بہت عرصہ ہوا ہے تم سے ملے ہوئے۔ بہت دل کر رہا تھا کہ بیٹھ کے وہ بچپن کی پرانی یادیں تازہ کریں۔ میں ان دنوں فارغ تھی تو انکار کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

مقررہ دن پہ بھائی نے مجھے انکے مین گیٹ پر اتارا اور میں اندر چلی گئی۔ میں کئی سالوں بعد سارہ کے گھر آئی تھی۔ تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ وہ گھر ویسا ہی تھا۔ ایک دم سے مجھے وہ پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔ ایک وقت تھا میں پورا پورا دن یہاں گزارتی تھی، کھیل کود اور ہلا گلا، کوئی فکر نہیں، پریشانی نہیں بس بچپن کی کچھ سنہری یادیں اس جگہ سے جڑی تھیں۔ ہم پہلے اسی کالونی میں ہی رہتے تھے پھر کافی سال پہلے یہاں سے شفٹ ہوئے۔ سارہ نے میرا پر تپاک استقبال کیا۔ اپنی بھابی سے میرا تعارف کرایا اور پھر ہم گھر کی چھت پہ چلے گئے جہاں پہلے بیٹھ کے باتیں کیا کرتے تھے۔ باتیں کرتے کرتے اچانک ہی مجھے اسکا خالہ زاد بھائی یاد آیا جو ہمارے ساتھ اکثر کھیلا کرتا تھا۔ بہت شرارتی تھا۔ میں نے اسکے بارے میں پوچھا ہی تھا کہ ایک دم سے مجھے پیچھے سے آواز سنائی دی۔۔۔

"شکر ہے ہم بھی کسی کو یاد تو ہیں، ورنہ تو امیدیں ہی مر چکی تھیں "

میں ایک دم چونکی اور مڑی۔ میرا سامنے ایک دراز قد نوجوان کھڑا تھا۔ میں نے بڑی حیرانی سے اسکی طرف دیکھا۔ میری سوالیہ نظریں سارہ کی طرف اٹھیں تو وہ بولی

"ارے یہ وہی تو ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے ابھی پوچھ رہی تھی۔ میرا خالہ زاد بھائی۔۔۔۔ "

سارہ کی بات کاٹ کے وہ فوراً بولا

"محترمہ! کیسی ہیں آپ؟ آپکو ہمارا نام تو یاد ہو گا نہ؟؟۔۔۔۔ یا پھر سب بھول گئیں؟؟ "

اسکے اس سوال نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ مجھے سچ میں اسکا نام یاد نہیں تھا۔ دراصل میرا دماغ اسکے بچپن اور جوانی کے بیچ اٹک گیا تھا۔ میں نے دماغ پہ زور دیا۔۔ خالد۔۔۔۔۔ حامد۔۔۔ ایسا ہی کچھ تھا۔ نہیں ماجد۔۔۔۔ نہیں نہیں یہ بھی نہیں تھا۔۔۔ میری الجھن میرے چہرے پہ پڑھ کے اس نے پھر سے ٹونٹ مارا

"ہائے۔۔۔ اب تو نام بھی یاد نہیں۔۔۔ کوئی ہنٹ چاہیے میڈم؟؟ "

اسکی وہ بڑی بڑی آنکھیں اپنے چہرے پہ محسوس کر کے میں کچھ زیادہ ہی الجھ رہی تھی۔ لیکن ہار میں نے بھی نہیں ماننی تھی

"محترم !نام تو مجھے یاد ہے، الجھن بس یہ ہے کہ آپ اپنے آپکو خاص جتانے کی ناکام کوشش کیوں کر رہے ہیں۔۔۔۔؟؟؟" میں نے ٹونٹ کا جواب ٹونٹ میں دیا۔۔۔

سارہ ہنس پڑی اور بولی بند کرو تم دونوں یہ فلمی ڈرامہ۔ وہ کچھ بولنا ہی چاہتا تھا پر میں نے اسکی بات کاٹی

"سارہ !۔۔۔ تمہارے بھائی کی وہ عادت آج تک گئی نہیں چھپ چھپ کے لڑکیوں کی باتیں سننے والی۔۔۔۔۔ اب تو بڑا ہو گیا ہے نہ کافی۔۔۔" میں ایک سے بڑھ کے ایک وار کر رہی تھی

"چلو! دل کو یہ سکوں ہوا۔۔۔ کہ جنھیں ہم نے یاد رکھا کچھ کچھ یاد انھیں بھی ہیں ہم۔۔۔۔۔" بہت زیادہ فلمی ہو رہا تھا وہ

"محترم !پھر سے کہوں گئی خود کا خاص سمجھنا بند کریں "

"محترمہ !خاص ہم کہاں، خاص تو آپ ہیں، جنھیں آج بھی ہمارے بچپن کی باتیں یاد ہیں۔ پر بھول گیا تو صرف نام۔۔۔ ہائے یہ نام۔۔۔ کاش ہم بے نام ہی ہوتے۔ آج یوں دل تو نہ جلتا "

"حماد۔۔۔۔۔!بس کرو یار۔ اپنی یہ دو روپے والی ایکٹنگ سے میری دوست کا بھیجہ پکا رہے ہو" سارہ نے چڑ کر بولا۔ پر شکر ہے باتوں باتوں میں مجھے اسکا صحیح والا نام تو یاد آیا۔

ہم تینوں ہنس پڑے۔ سارہ نے مجھے بتایا کہ دس، بارہ سال سے وہ اپنے انکل کے ہاں انگلینڈ میں مقیم تھا۔ پڑھائی وہاں مکمل کی۔ ماں باپ کا اکلوتا ہے تو ان سے بیٹے کی جدائی اور برداشت نہیں ہوئی اس لیے واپس بلا لیا تاکہ اب اسکی شادی کر سکیں۔ میں اس بات پہ بھی حیران تھی جب سارہ نے مجھے بتایا دراصل حماد نے ہے اسے مجھے اپنے گھر بلانے کو کہا تھا۔ بچپن کی یادیں اب بھی اس نے سنبھال رکھی تھیں۔ باتوں باتوں میں جب میرا ذکر ہوا تو اسکے دل میں مجھے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی کہ میں اب بھی ویسی ہوں یا بدل گئی۔ خیر بدل تو ہم دونوں گئے تھے۔ نہ وہ بچپن رہا تھا اور نہ وہ باتیں۔ زندگی کچھ اور ہی راستوں پہ نکل آئی تھی۔ پھر بھی اچھا لگا جب آج اسطرح سے کسی نے وہ پرانے دن یاد دلائے۔ زندگی کے ہر مرحلے میں جب بھی انسان داخل ہوتا ہے اسکی خواہش ہمیشہ اس معصوم بچپن کو پھر سے محسوس کرنے کی رہتی ہی ہے۔ لیکن صرف وہ یادیں باقی ہوتی ہیں جنھیں انسان سنبھال سنبھال کے رکھتا ہے۔ اور موقع ملے تو پھر سے ان یادوں میں ڈوب جانے کا دل کرتا ہے۔ پر یہ احساس اکثر آنکھیں نم کر دیتا ہے۔

میں کافی دیر سارہ کے گھر رہی۔ سارہ کی بھابی نے بریانی بنائی ہوئی تھی ہم نے مل کے وہ بھی کھائی۔ حماد کی وہ عادت اب بھی ویسی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے ادھر ادھر جاتا اور پھر آ کے ہمارے ساتھ بیٹھ جاتا۔ میں حیران تھی کہ اسے بچپن کی وہ شرارتیں ہم سے زیادہ یاد

تھیں۔ شائد ایسا اس لیے تھا کہ وہ یہاں سے بہت دور چلا گیا تھا تو اسکے دل و دماغ میں وہ سب کچھ ویسے ہی نقش تھا اور ہم اسی جگہ پہ رہتے ہوئے سب بھول چکے تھے۔ مجھے تو اسکا نام تک یاد نہیں تھا اور وہ میری ساری پرانی باتیں یاد کر کر کے چھیڑ رہا تھا۔ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا اور تب ہی بھائی کی گاڑی کا ہارن بجا تو مجھے یاد آیا کہ وہ مجھے لینے آئے ہیں۔ میں جانے کے لیے کھڑی ہوئی۔ اتنے میں حماد جو کچھ دیر سے غائب تھا سامنے آیا اور پھر سے اسی فلمی انداز میں بولا

"محترمہ! کیا یہ ناچیز آپکا موبائل نمبر مانگ سکتا ہے؟؟" بڑے معصوم انداز میں وہ بولا

"سارہ! اپنے بھائی کو بتاؤ کہ یہ پاکستان ہے، اور یہاں کی شریف لڑکیاں لڑکوں کو اپنا نمبر نہیں دیتی۔۔۔۔" میں نے جواب دیا۔ میری بات سن کے سارہ مسکرائی اور بولی

"مل گیا جواب؟ چلو اب جاؤ۔۔۔۔ ویسے تمہیں نمبر چاہئے کیوں؟؟" سارہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا

"ایسا ہے کہ میں کل مسجد گیا تو مولوی صاحب بول رہے تھے کہ کوئی اچھی بات سنو تو اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔۔۔ اس سے بہت ثواب ملتا ہے۔ اس سوچ سے میں نمبر مانگ رہا تھا کہ اگر میں اچھی باتیں انھیں میسج کے ذریعے پہنچاؤں تو ہو سکتا ہے یہ محترمہ بھی اپنے اعمال درست کر سکیں۔۔۔۔۔" بڑی صفائی سے اس نے من گھڑت مدعا سنایا۔

"الحمد وللہ میرے اعمال بہت اچھے ہیں۔ پھر بھی اگر مجھے رہنمائی کی ضرورت ہوئی تو میں مولوی صاحب سے بذات خود بات کرلوں گی۔ انکا نمبر ہے میرے پاس۔" میرا کرارا جواب سن کر اس نے سر جھکالیا۔

میں اور سارہ سیڑھیاں اترتے نیچے پہنچے۔ سب سے مل کے میں باہر چلی گئ اور بھائی کے ساتھ گھر پہنچی۔ اس رات کافی دیر تک میں دن کی ساری باتیں سوچتی رہی۔ اچھالگ رہا تھا مجھے۔

کچھ دن یونہی گزر گئے۔ پڑھائی مکمل کرنے کے بعد میں گھر میں رہتے رہتے بہت اکتا سی گئی تھی۔ امی سے مشورہ کر کے میں نے کچھ جگہوں پہ جاب کے لیے اپلائی کیا۔ کچھ ہی دن میں مجھے ایک جگہ سے ایڈمن کی جاب کے لیے کال آئی۔ میں نے انٹرویو دیا، پر پہلی بار انٹرویو دیا تھا، اس لیے مجھے زیادہ امیدیں نہیں تھیں کہ وہ جاب مجھے ملے گی۔

رات کے بارہ بج رہے تھے دور دور تک نیند کے آثار نہیں تھے۔ کتنی دیر کوئی ٹی وی دیکھ سکتا ہے۔ بھائی کھانا کھانے کے بعد دوستوں کی طرف چلا جاتا اور دیر رات واپس آتا، امی بھی جلدی سو جاتی تھیں۔ رہ جاتی میں جس کے پاس کوئی بات کرنے والا نہیں ہوتا۔ میں نے ٹی وی بند کیا اور اپنے بیڈ روم میں آئی، لائٹس آف کر کے سونے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ تکیے کے نیچے سے موبائل نکالا اور کینڈی کرش گیم کھیلنے لگی۔ ایک سو اکیاسی لیول پہ پہنچی تو موبائل کی سکرین بلنک ہوئی اور مجھے ایک میسج ریسیو ہوا۔ میں نے یہ سوچ کے نظر انداز کیا

کہ کوئی پرومو شنل میسج ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور میسج ریسیو ہوا۔ میں گیم کھیل کھیل کے تھک گئی تو انباکس کھولا۔ مجھے کسی نامعلوم نمبر سے میسج آئے تھے

"ہیلو۔۔۔ "!

"میڈم کیا آپ جاگ رہی ہیں۔۔۔۔؟ "

پتہ نہیں کون ہے؟ اس وقت مجھے کیوں میسج کیا؟ کوئی کزن یا دوست ہو گی۔ جواب دوں یا نہ دوں؟ اسطرح کے سوال میرے دماغ میں گردش کرنے لگے۔ خیر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ پوچھ لینا چاہیے۔

"ہو از دئیر۔۔۔۔؟" ٹائپ کر کے سینڈ کیا اور پتا چلا کہ اتنا بیلنس ہی نہیں میرے پاس کہ میسج جا سکے۔ یہ اندازے لگاتے لگاتے کہ کس کا نمبر ہو گا، مجھے نیند آ گئی۔

صبح دس بجے کے قریب مجھے لوکل نمبر سے فون آیا۔ میری جاب پکی ہو گئی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ چلو اب زندگی میں کچھ مصروفیت تو آئے گی۔ مجھے تین بجے شام میں انھوں نے بلایا تھا، تنخواہ اور ڈیوٹی کے حوالے سے کچھ ضروری باتیں طے کرنی تھیں۔ اس دن بھائی شہر میں نہیں تھے تو مجھے اکیلے ہی اس آفس جانا پڑا۔ امی پریشان ہو رہی تھیں کہ میں اکیلی نہ جاؤں۔ میں نے انھیں تسلی دی اور خود ہی چلی گئی۔

قریب ایک گھنٹے کی بات چیت میں جب ساری باتیں طے ہو گئیں اور انھوں نے مجھے پیر والے دن سے کام کے لیے بلایا تھا۔ میں آفس سے نکلی اور باہر روڈ پہ آٹو رکشے کا انتظار کرنے لگی۔ میں اندر سے کافی خوش تھی۔ امی کو بھی فون کر کے بتا دیا۔ میں اپنے خیالوں میں گم تھی، میرے سامنے سے ایک گاڑی گزری اور ایک دم سے ریورس ہوئی اور میرے پاس آ کے رک گئی۔ میں اس گاڑی کو نظر انداز کر کے پیچھے مڑی اور میرے کانوں میں ہارن کی آواز پڑی۔۔۔۔۔۔۔ میں نے پھر بھی نظر انداز کیا۔

"ایکسکیوز می میم۔۔۔۔۔۔!" مجھے پیچھے سے کسی کے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ میں مڑی اور حیرت سے دیکھا تو وہ حماد تھا۔ میرے اسطرح سے نظر انداز کرنے پر وہ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا

"اوہ۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔ یہاں پہ کیسے ؟" میں نے اس سوال کیا

"آپ میرے یہاں ہونے پہ اتنا حیران کیوں ہو رہی ہیں ؟ یقین مانیے میں آپکا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔ وہ تو گزرتے اچانک نظر پڑی تو، سوچا پوچھ ہی لیں۔۔۔۔۔" وہ صفائی دینے لگا

"جی تو پوچھیے ! کیا پوچھنا ہے آپکو ؟" میں نے سنجیدگی سے اسکی طرف دیکھا

"پوچھنا کیا ہے، بس بتا دیجیے کہ کیسی ہیں آپ ؟ اور یہاں پہ خیریت سے ؟"

"کیوں! آپ کو یہ کیوں جاننا ہے کہ میں یہاں پہ کیا کر رہی ہوں؟" میں نے پھر سے سوال کیا

"ارے میڈم! ہم آپکے بچپن کے دوست ہیں تو اسی ناطے ہی جاننا چاہ رہے تھے۔۔۔۔" وہ مسکرایا

"بچپن کی دوستیاں بچپن میں ختم ہو جاتی ہیں۔ اب آپ میرے لیے اجنبی ہیں اور میں آپکے لیے۔۔۔۔۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا

"اف۔۔۔۔ ایسی اجنبیت کہیں جان ہی نہ لے لے ہماری۔۔۔۔۔۔۔" وہ پھر سے فلمی موڈ میں آگیا۔ اور میں سوچنے لگی کہ کتنا ٹپوری ہے یہ بندہ۔ جگہ ایسی نہیں تھی کہ میں اسے کچھ جواب دیتی اس لیے میں خاموش رہی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا میں نے سڑک سے گزرتے ایک رکشے کو روکا اور اسکی طرف بڑھ گئی۔ میں نے اسے ٹھیک طرح سے اسے خدا حافظ بھی نہیں کہا اور بات ادھوری چھوڑ کے رکشے میں بیٹھ گئی۔

کتنا عجیب ہے یہ لڑکا، اسکے ساتھ ایسا روکھے انداز میں بات کرنا بالکل صحیح تھا۔ ارے ایسے کیسے وہ بیچ راستے بیوقوفوں جیسی باتیں کر سکتا ہے۔ اندر ہی اندر میں اسے کوس رہی تھی لیکن کہیں نہ کہیں اپنے اس رویے سے میں نادم بھی تھی۔ ہو سکتا ہے اسکا انداز ہی ایسا ہو۔ پتا

نہیں کیا سوچے گا میرے بارے میں۔۔۔۔۔ اسطرح کی ملی جلی سوچ میں الجھی میں گھر پہنچی۔۔۔۔

رات میں جب بستر پہ لیٹی اور نیند نہیں آرہی تھی تو اچانک سے مجھے اسکا خیال آیا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر پھر کبھی سامنے آیا تو میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔ ایسا کرتی ہوں سارہ کو فون کرکے ساری بات بتا دیتی ہوں اور معذرت کر لیتی ہوں۔ نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔۔پتا نہیں وہ کیا سوچے گی۔ چھوڑو۔۔۔۔

کافی دیر اسکے بارے میں سوچتے سوچتے مجھے نیند آگئی۔۔۔۔۔۔۔

گھر پہنچ کے میں نے امّی کو اپنی پہلی تنخواہ کا سرپرائز دیا۔ وہ بہت خوش ہوئی تھیں۔ ویسے سرپرائز تو مجھے بھی کسی نے دیا تھا۔ پر میں کسی سے وہ شئیر نہیں کر سکتی تھی۔ اندر ہی اندر میرے دل میں ایک بات چل رہی تھی کہ غلطی تو میں نے بھی کی تھی لیکن معافی نہیں مانگ سکی، اور اس نے کس ہمت سے مجھے سوری بولا تھا۔

رات میں جب میں بستر پہ آئی تو دل کی آواز سن کے میں نے ایک میسج ٹائپ کیا

"اس دن کے روّیے کے لیے میں بھی آپ سے معافی چاہتی ہوں "

ٹائپ کیا اور سینڈ کرنے سے پہلے رک گئی، ارے! کیا ضرورت معافی مانگنے کی۔ پہلی غلطی اسکی تھی اس نے معافی مانگ لی اور میں نے معاف کر دیا، بات ختم۔ سارا میسج مٹایا اور فون

سائیڈ پہ رکھ دیا۔ نہیں یار۔۔۔ معافی مانگ لینی چاہیے۔ غلطی تو میں نے بھی کی تھی، معافی مانگنے سے کوئی چھوٹا نہیں ہو جاتا۔ میں نے پھر سے میسج ٹاپ کیا

"سوری۔۔۔! اس دن میں وہاں سے اسطرح سے چلی آئی، آپکو برا لگا ہو گا "

سینڈ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اگر میں نے اسے یہ میسج کیا تو وہ اسکا کیا مطلب نکالے، وہ ہے ہی ایسا پھر سے وہی ڈرامہ شروع کر دے گا۔ پھر سے میں نے سارا میسج مٹایا۔ پر یہ دل بھی نہ، کسی صورت راضی نہیں تھا، ایک بار معافی مانگ لو اور بس۔ اسکے بعد بات مت کرنا۔ ہاں یار، ایک میسج کرنے سے کیا جاتا ہے۔

"سوری۔۔۔۔۔۔۔" ٹائپ کیا اور دھڑکتے دل کو قابو میں رکھتے سینڈ پریس کر دیا۔ جب تیر کمان سے نکل چکا تھا تو دل کہنے لگا۔ کاش یہ میسج سینڈ نہ ہو، فیل ہو جائے۔۔۔ پر ایسا ہوا نہیں۔۔۔۔ اور میسج چلا گیا۔

"محترمہ! یہ آپ نے خود ٹائپ کیا یا پھر کسی ملازم کی خدمات لیں؟؟ یقین مانیے آپکے میسج پہ اتنا موبائل وائیبریٹ نہیں کیا، جتنا یہ دل وائیبریٹ کر رہا ہے۔۔۔۔ تب سے نہ موبائل سنبھالا جا رہا ہے نہ دل "

فوراً ہی جواب آیا

"آپ کبھی سیریس بھی ہوتے ہیں یا پھر یہ ٹپوری سٹائل آپکی فطرت بن چکا ہے؟" میں نے تنک کے جواب دیا

"اب کیا بتائیں، کئی بار ہم تو اسکے ساتھ سیریس تھے لیکن سامنے والا مذاق سمجھ کے نکل گیا۔۔۔۔۔"

پھر سے ویسا ہی جواب۔ اب کیا کرے کوئی

"دیکھیے! میں اس دن کے روّیے کے لیے آپ سے معافی چاہتی ہوں، بس یہی کہنے کے لیے میسج کیا" میں نے پھر سے روکھے انداز میں جواب دیا

"ارے! پھر سے دل توڑ دیا، ہم اس غلط فہمی میں تھے کہ شائد آپکا بھی دل کر رہا تھا ہم سے بات کرنے کو۔ پر آپ تو صرف سوری بولنا چاہتی تھیں۔ خیر معاف کیا، دل بہت بڑا ہے ہمارا، کیا یاد رکھیں گی "

"چلیں بہت شکریہ، میں اب سو رہی ہوں، صبح آفس جانا ہے۔ خدا حافظ" میں تھک گئی اسکی فلمی باتیں سن سن کے

"سو جایئے آپ، ہمارا کیا ہے، ہم تو رات رات بھر جاگنے کے عادی ہیں، ویسے اگر آپ گڈ نائٹ بول دیں گی تو ہو سکتا ہے دل کو سکوں آجائے اور آنکھ لگ جائے "

"قصور آپکا نہیں، اّلو کے لیے رات ہی دن ہے، پھر بھی۔۔۔۔۔۔ 'گڈ نائٹ'۔۔۔۔"

میں نے اپنی طرف سے آخری میسج سینڈ کیا اور موبائل الٹا کر کے آنکھیں بند کر دیں، پھر سے میسج ٹون بجی

"گڈ نائٹ محترمہ" !

صبح میں جلدی سے تیار ہوئی اور آفس کے لیے نکل گئی، صبح بھائی مجھے ڈراپ کر دیتا اور شام میں خود ہی واپس گھر آتی تھی۔ اب اتنے دن ہو گئے تھے آنے جانے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔ جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے، آفس کی ذمہ داری بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اب تو میں تھک سی جاتی تھی۔ وہ سکول والی عادت چھٹی کا انتظار کرنا، کچھ ویسا ہی ہو رہا تھا آج کل۔ خیر میں کام پوری ایمانداری سے کر رہی تھی تو سب مجھ سے خوش تھے۔

جیسے ہی پانچ بجے میں نے اپنا بیگ اٹھایا اور باقی لڑکیوں کے ساتھ گھر کی طرف نکل پڑی۔ اب تو عادت ہو گئی تھی رکشے کا انتظار کرنے کی۔ امّی کی ہدایت تھی کہ جیسے ہی آفس سے نکلا کروں تو انھیں فون کر کے بتا دوں، ورنہ وہ خوامخواہ ہی پریشان ہوتی تھیں۔ میں نے امّی کا نمبر ڈائل کیا اور انھیں بتایا۔ ایک دم سے ایک گاڑی میرے سامنے رکی میرے دل میں ایک ہی بات آئی

"ناٹ اگین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

وہ جانتا تھا کہ میں پیچھے ہٹ جاوں گی اس لیے وہ گاڑی سے اتر آیا۔

"میڈم جی! آپ نے کہاں جانا ہے؟"

جواب میں مَیں خاموش رہی

" میڈم جی! میں آپکو چھوڑ دیتا ہوں، آج رکشے کی بجائے ٹیکسی میں سفر کر لیجیے، کرایہ وہی رکشے والا ہی ہے، پریشان مت ہوں "

جب مجھے احساس ہوا کہ وہ کسی صورت پیچھے نہیں ہٹنے والا اور آفس کے اکّا دکّا لوگ بھی آس پاس سے گزر رہے تھے۔ میں نے موقع کی نزاکت سمجھی اور چپ کر کے اسکی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے ڈور اوپن کیا اور میں اندر بیٹھ گئی

"آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ " میں نے تنک کے اس سے پوچھا

"ارے! ابھی تو میں نے کرایہ مانگا ہی نہیں آپ سے، چلیں آپ رکشے والے سے بھی کم دے دیجیے گا" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے جواب دیا

"حماد! آئی ایم سیریس۔۔۔ ہر وقت بچہ بنے رہتے ہو" میں انتہائی سنجیدہ تھی

"محترمہ! مسئلہ تو کوئی نہیں۔ اگر میں اپنے بچپن کی ٹوٹی ہوئی دوستی کو پھر سے جوڑنا چاہتا ہوں تو آپکو اس میں کیا مسئلہ نظر آتا ہے۔۔۔۔۔ کیا ہم اچھے دوست نہیں بن سکتے؟ " اس نے سوالیہ نظروں سے میرے طرف دیکھا۔ جواب میں مَیں خاموش رہی۔

کافی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے اسے گاڑی روکنے کا بولا۔ میرا گھر پاس ہی تھا۔ لیکن اسکے ساتھ آگے تک جانے سے میں نے اجتناب کیا۔ اس نے گاڑی روکی اور میں نیچے اترنے لگی

"میڈم جی ! کرایہ تو دیا نہیں آپ نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

جب میں گاڑی سے اترنے لگی تو حماد کی یہ بات سن کے میں نے حیرانی سے اسکی طرف دیکھا۔ پھر غصے سے پرس سے پانچ سو روپے کا نوٹ نکالا اور اسکی طرف بڑھا دیا

"میڈم جی ! یہ ٹیکسی والا پیسے نہیں لیتا بلکہ اپنے کسٹومرز سے بس ایک "کوفی" پیتا ہے۔۔۔۔ تو پھر کب آپ کرایہ دے رہی ہیں۔۔۔۔" وہ مجھے ایک کوفی آفر کر رہا تھا۔ میں نے غصے سے اسکی طرف دیکھا اور گاڑی سے اتر گئی۔

"ٹیکسی والے۔۔۔۔۔!ایک بات یاد رکھنا، یہاں رکشے والا 'باجی' بولتا ہے 'میڈم جی' نہیں۔ تو جس دن باجی بولو گے تو کرایہ بھی لے لینا" یہ کہہ کے میں آگے بڑھ گئی.

رات میں اسکے میسج آنا شروع ہوئے تو میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب چار، پانچ میسج کرنے کے بعد اس نے بولا

"کیا میں آپکو ڈسٹرب کر رہا ہوں؟ "

"جی ہاں، میں ڈسٹرب ہو رہی ہوں" میں نے جواب دیا

"گڈ! اسکا مطلب میں بالکل صحیح جا رہا ہوں، یہی تو میں چاہتا تھا" اسکے اس میسج کا جواب دینا میں نے مناسب نہیں سمجھا

"آپ اتنا سڑے موڈ میں کیوں رہتی ہیں ہر وقت؟؟ " اس نے پھر سے میسج کیا

"آپ اتنا فلمی موڈ میں کیوں رہتے ہیں ہر وقت؟؟" میں نے اسکی ٹون میں ہی جواب دیا اسے

"اب تو ہماری باتیں بھی آپکو فلمی لگتی ہیں "

اس سے پہلے کے وہ بات کو مزید کھینچتا میں نے سونے کا بہانا کر کے شب بخیر بول دیا۔ اور فون تکیے کے نیچے رکھ دیا

اگلے دن جب میں آفس سے نکلی تو پھر سے وہ وارد ہوا۔ میں نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ اب بہت ہوا مزید میں اسکے اس روّیے کو ہوا نہیں دینے والی۔ میری سوچ کے برعکس آج وہ کافی سنجیدہ تھا۔ یہ کہہ کے کہ اسے کچھ ضروری بات کرنی ہے مجھ سے، مجھے ساتھ چلنے کے لیے بولا۔ آج میں نے بھی اس سے دوٹوک بات کرنی تھی کہ مجھے اسطرح سے اسکا بار بار راستے میں روکنا پسند نہیں۔ میں اسکی گاڑی میں بیٹھ گئی

"ایکچولی۔۔۔ میں نے کل رات کافی سوچا، جو کچھ بھی میں کر رہا ہوں وہ ٹھیک نہیں ہے۔ اسی حوالے سے ہی مجھے بات کرنی تھی" گاڑی ڈرائیو کرتے ہی اس نے بات شروع کی۔ میں نے اسے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا

"پتا نہیں آپ کیا سوچتی ہوں میرے بارے میں۔ ظاہر سی بات ہے کہ بچپن اور جوانی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اتنے عرصے بعد ایک دم سے ہم ایکدوسرے کے سامنے آتے ہیں اور میں اتنا زیادہ فرینک ہو رہا ہوں آپ سے، اس بات سے انجان کہ آپکو یہ چیز پسند بھی ہے کہ نہیں۔ مجھے احساس ہوا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

میری سوچ آپکو تنگ کرنا یا پھر کسی طرح کا کوئی افیئر چلانا نہیں ہے۔ دراصل میں اتنے عرصے بعد جب واپس آیا تو میرا یہاں پہ کوئی دوست نہیں تھا۔ اب وہ عمر نہیں رہی کہ نئے دوست بناؤں۔ واپس آیا تو سارہ کے ساتھ ایک اچھی انڈرسٹینڈنگ ہوئی۔ کزنز ہونے کے ناطے ہم رابطے میں بھی تھے۔ اس نے بھی دوست اور بہن دونوں بن کے میرے ساتھ ایک تعلق رکھا۔ ایک دن بچپن کی وہ پرانی باتیں یاد کرتے کرتے تمہارا ذکر ہوا۔ سارہ نے بتایا کہ تم لوگوں کا زیادہ رابطہ نہیں ایکدوسرے کے ساتھ، پھر بھی میں نے اسے ضد کی کہ وہ تمہیں گھر بلائے تاکہ میں تم سے ملوں اور تمہیں دیکھوں کہ تم بدل گئی ہو یا ویسی ہی ہو۔ جب اس دن تم آئی تو مجھے بہت اچھا لگا تم سے مل کے۔۔ صرف اسی وجہ سے میں تمہارے

ساتھ ہنسی مذاق کرتا رہا۔ پھر ایک دن اچانک جب میں اپنے آفس سے نکلا تو راستے میں مجھے تم نظر آئی۔ میں نے گاڑی روک کہ تم سے بات کی۔ بعد میں احساس ہوا کہ یہاں کے ماحول کے حساب سے یہ ٹھیک نہیں تھا۔ میں نے معافی مانگی۔ لیکن میرے اندر ایک خواہش تھی کہ ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔ کبھی کھل کے اس بات کا اظہار نہیں کیا یہ سوچ کے، پتا نہیں اس بات کا تم کیا مطلب لو۔ پر کل رات تمہارا روّیہ مجھے یہ سوچنے پہ مجبور کر گیا کہ نہیں شاید تم مجھ سے بات کرنا ہی نہیں چاہتی۔ اس لیے آج آخری بار تم سے پچھلے دنوں جو کچھ ہوا اس سب کی معافی مانگتا ہوں۔ اب سے میں تنگ نہیں کروں گا "

وہ میرے طرف دیکھے بنا ہی بولتا گیا اور میری نظریں اسکے چہرے پر تھیں، میں چپ چاپ اسکی باتیں سنتی رہی۔ جتنی بار میں اس سے مل چکی تھی پہلی بار اسے اس موڈ میں دیکھا تھا۔ نہ کوئی فلمی ڈرامہ اور نہ کوئی ہنسی مذاق۔ پھر ایک دم سے اس نے گاڑی روکی اور میرے طرف رخ کر کے بولا

"آپکا گھر آگیا ہے۔ اب آپ اتر سکتی ہیں "

تبھی مجھے احساس ہوا کہ میں گھر کے قریب پہنچ گئی تھی۔ میں تو ابھی تک یہ فیصلہ ہی نہیں کر پائی کہ اسے جواب کیا دوں۔ اس نے تو سب بول دیا تھا میں کیا بولوں۔ میں چپ چاپ گاڑی سے اتر گئی۔

کئی دن گزر گئے میں اپنی زندگی میں مصروف رہنے لگی۔ لیکن اکثر اوقات مجھے حماد کی باتیں یاد آتی رہیں، خاص طور پر وہ آخری بار جو کچھ اس نے کہا۔ اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی میں اسکی باتوں کا کوئی صحیح جواب دینے سے بالکل قاصر تھی۔ کبھی سوچتی کہ اچھا ہی تو ہے، وہ خود سے ہی چلا گیا۔ مجھے کچھ کہنا نہیں پڑا۔ پھر سوچتی کہ اسے مجھ میں ایک اچھا دوست نظر آرہا تھا تو اس میں غلط کیا ہے۔

حماد کا آفس میرے آفس سے تھوڑا سا آگے تھا، چھٹی کے بعد گھر جاتے ہوئے کئی بار میں نے اسکی گاڑی جاتے دیکھی تھی۔ نہ وہ کبھی رکا اور نہ میں نے ایسا کچھ چاہا تھا۔

جب انسان پریکٹیکل لائف شروع کرتا ہے تو کہیں نہ کہیں اکیلا پڑنے لگتا ہے۔ لوگوں کی بھیڑ میں کام کرتے ہوئے اکیلا پن کبھی جاتا نہیں ہے۔ دن تو پھر بھی گزر جاتا ہے پر جب رات ہوتی ہے تنہائی اور زیادہ ستاتی ہے۔ نیند آنکھوں سے دور اور انسان دنیا سے دور بستر پہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہو رہا تھا۔

میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ نیند آجائے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ دماغ کو موبائل میں مصروف کیے رات کے دو بجے تب ہی انباکس میں پرانے میسج ڈیلیٹ کرتے کرتے، حماد کے وہ آخری میسج میرے سامنے آئے۔ پھر میں ایک ایک کرکے اسکے سارے میسج پڑھنے لگی۔ کتنا پاگل ہے وہ، بنا کچھ سوچے سمجھے کچھ بھی بولتا جاتا ہے۔ ایسے لوگ دل کے اچھے ہوتے ہیں۔ مجھے

احساس ہوا کہ اسکے اندر وہ بچپن والا معصوم بچہ اب بھی زندہ ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے ایک دوست کھو دیا تھا؟؟ میرے دل میں جیسے یہ بات آئی تو میں نے ایک میسج ٹائپ کیا

"اے ٹیکسی والے۔۔۔۔! کرایہ نہیں لینا؟ "

میں نے اسے میسج سینڈ کر دیا۔ قریب بیس منٹ تک جب اسکا کوئی جواب نہیں آیا تو میں نے یہ سوچ کے موبائل تکیے کے نیچے رکھ دیا کہ شاید اب وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا، اندر ہی اندر مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میسج کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ غلط کیا میں نے۔ کافی دیر خود کو کوستی آنکھیں بند کر کے لیٹی رہی پھر جانے کب آنکھ لگ گئی

" میڈم جی! ٹیکسی والا حاضر ہے۔۔۔۔"

اچانک سے وہ میرے سامنے آ کے کھڑا ہو گیا۔ اتنے دن بعد اسکی شکل اور وہ پرانا انداز دیکھ کے میں اپنی مسکراہٹ چھپا نہیں پائی۔ ہم نے باہر " کوفی "پی اور اس نے مجھے میرے گھر کے قریب ڈراپ کیا۔ میں نے اسکی دوستی کا پرپوزل ایکسپٹ کر لیا تھا۔

ہم ہر روز ملنے لگے۔ اسکے ساتھ وقت گزار کے مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ بہت اچھا انسان تھا۔ میری طرح وہ بھی اکیلے پن کا شکار تھا، کہیں نہ کہیں ہم ایک ہی جیسے تھے۔ فرق بس اتنا تھا زندگی کی کڑوی حقیقتوں کا سامنا وہ ہنستے ہنستے کرتا اور میں ہر بار ذرا سہم جاتی تھی۔ مجھے اسکا ساتھ بہت اچھا لگنے لگا، رات بھر فون پہ باتیں کرنا، دن بھر میسجز ایکسچینج کرنا۔ سب

کچھ ایک دم صحیح تھا۔ وہ میرا بہت خیال رکھتا، چھوٹی بڑی پریشانی میں میرا ساتھ دیتا۔ اور پھر ایسا ہوا کہ ہر وقت سنجیدہ رہنے والی لڑکی ایک دم سے کھل کے ہنسنے لگی۔ اور میری ہنسی کبھی کبھی لوگوں کو سوچ میں ڈال دیتی کہ ایسا آخر ہوا کیا ہے؟ اور اس سوال کے جواب میں بھی میں اکثر ہنس دیتی تو لوگ اور زیادہ حیران ہوتے۔ خیر مجھے زندگی جینے کا مزہ آرہا تھا۔

کافی دنوں سے حماد مجھے لانگ ڈرائیو پہ چلنے کا بول رہا تھا۔ لیکن میں نہیں مانی۔ اسکی بار بار کی ضد پہ بلآخر مجھے ہاں بولنا ہی پڑا۔ اس دن میں نے آفس سے چھٹی کی اور حماد سے یہ وعدہ لیا کہ کچھ بھی ہو ہم پانچ بجے تک واپس آجائیں گے۔

پتا نہیں ہم شہر سے کتنی دور آچکے تھے، شور شرابا اور بھاگ دوڑ سے ایک دم دور۔ روڈ کے دونوں طرف ہرے بھرے کھیت تھے، بہت ہی حسین تھا سب کچھ۔ موسم بھی اچھا تھا، بادل تھے، اور کہیں کہیں ہلکی ہلکی بارش بھی ہو جاتی، جس سے لطف اور زیادہ بڑھ رہا تھا۔ اور اس چکر میں مجھے یاد آیا کہ ہم نے واپس بھی جانا ہے۔

"اے ٹیکسی والے۔۔۔۔۔! واپس آجاؤ، کہاں کھوئے ہو، ٹائم دیکھا ہے؟ "

میری بات وہ چونکا، جو کافی دیر سے کسی سوچ میں ڈوبا تھا

"اف۔۔۔ تم کتنی ظالم ہو نا، میں اتنے حسین خیالوں میں کھویا تھا، کان سے پکڑ کے واپس لے آئی" وہ چڑ کر بولا

"مجھے میرے گھر چھوڑ دو، پھر چاہے جن خیالوں میں کھوئے رہو، مجھے پرواہ نہیں" میں نے اسے جواب دیا

"شادی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟؟؟ " میری طرف دیکھے بنا ہی وہ بولا، اسکی بات سن کے میں چونکی

"ارے! میرا مطلب ہے شادی کے حوالے سے تمہاری سوچ کیا ہے؟ کب کرنی ہے؟ کیسے کرنی ہے؟ اور شادی کے بعد کی زندگی کیسے گزارو گی؟ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔" اس نے اپنا سوال مزید واضح کیا

"تمہیں اچانک شادی کا خیال کیسے آ گیا؟ اچھا پہلے تم بتاؤ پھر میں بتاؤں گی" میں نے الٹا اس سے سوال کر لیا

"اف ہو۔۔۔۔پہلے میں نے پوچھا ہے تم جواب دو پھر میری باری" وہ بضد تھا کہ میں پہلے جواب دوں

"دیکھو شادی کے حوالے سے میری سوچ اتنی ہی ہے جتنی باقی لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ بچپن سے ہی لڑکی کی پرورش اس انداز میں کی جاتی ہے کہ جیسے وہ پیدا ہی شادی کرنے کے لیے ہوئی ہے۔ کوئی غلطی ہو جائے تو سمجھانے کا انداز بھی یہی ہوتا ہے کہ

' اگلے گھر جا کے ایسی غلطیاں مت کرنا '

' کھانا اچھا بناؤ تا کہ سسرال اور شوہر کو خوش کر سکو '

' زیادہ بحث مت کرو، مردوں کو بحث پسند نہیں '

' یہ کرو، یہ نہ کرو '

' ایسے کرو ایسے نہ کرو '

اور جہاں بات ہو لڑکے کی تو اسے بچپن سے جوانی تک ایسے معمالات اور ایسی باتوں سے دور رکھا جاتا ہے۔ اسکی تربیت شادی کے لیے نہیں بلکہ ایک انفرادی کامیاب زندگی گزارنے کے لیے کی جاتی ہے۔ اور شائد یہی وجہ ہے کہ لڑکی شادی کے حوالے سے زیادہ سوچتی ہے، خواب دیکھتی ہے۔ اور لڑکا جب اپنا کریئر بنالے تو اس پہ شادی کا زور ڈالا جاتا ہے۔ اور تبھی وہ شادی سے بھاگتا ہے کیوں کہ اسکے لیے یہ ایسی قید ہے جسے اس نے پوری زندگی نبھانا ہے" میں نے بڑی وضاحت سے اسے جواب دیا

"میں تمہاری اس بات سے متفق نہیں ہوں۔ یہ بات سب لڑکوں پہ لاگو نہیں ہوتی" اس نے میری بات کی تردید کر دی۔ اور تبھی میں نے اسکی طرف حیرانی سے دیکھا

"چلو! اب تم بتاو، تم کیا سوچتے ہو شادی کے بارے میں؟ "میں نے اس سے پوچھا

"تمہیں میں ایک چھوٹا سا واقعہ سناتا ہوں۔

میری عمر قریب بارہ سال تھی۔ ان دنوں انگلینڈ سے پہلی بار میں ایک سال بعد اپنے والدین سے ملنے آیا تھا۔ امّی مجھے شاپنگ کرانے مارکیٹ لے گئیں۔ مارکیٹ میں ادھر ادھر گھومتے ہوئے میں تھک گیا تھا۔ میں نے امّی سے بولا کہ میں گاڑی میں انکا انتظار کرتا ہوں تب تک وہ شاپنگ مکمل کر لیں۔ گاڑی میں بیٹھے میری ایک آدمی پر نظر پڑی جو ایک کونے زمین پہ صندوق رکھ کے بیٹھا تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور دیکھا کے وہ ہاتھ کی بنائے ہوئے مصنوئی زیورات پر کام کر رہا تھا۔ اسکے ہاتھ میں ایک مہارت تھی۔ وہ سادہ سا ایک کنگن اٹھاتا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے موتیوں سے جڑ دیتا۔ عام آدمی کے لیے یہ کام قدرے مشکل تھا۔ میں اسکے پاس جا کے بیٹھ گیا۔ کام کرتے کرتے جب اسکی نظر مجھ پہ پڑی تو وہ میری طرف دیکھ کے مسکرایا اور بولا کہ کیا تم یہ سیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے اسکی طرف دیکھ کے جواب دیا 'ہاں' ۔ اس نے ایک سادہ کنگن نکالا اور میری طرف بڑھایا۔ اور کافی دیر تک مجھے سمجھاتا رہا کہ کیسے ایک ایک موتی اس پہ جڑنا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں مجھے سمجھ آنے لگا۔ اس سے پہلے کہ میں وہ بنانے کی کرتا امّی نے مجھے بلا لیا۔ لیکن میں نے ایک سادہ کنگن اور کچھ موتی اس آدمی سے لیے اور امّی کے ساتھ واپس گھر آ گیا۔ گھر پہنچ کر میں نے اس پہ کام کرنا شروع کر دیا۔ مجھے اس کنگن پہ موتی جڑتے کئی گھنٹے لگ گئے تھے لیکن میں نے اسے مکمل کیا۔ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ میں نے بنایا ہے۔ جب میں بنا کے فارغ ہوا تو اس وقت پہلی بار میرے دل

میں یہ خیال آیا کہ یہ کنگن میں اسے دوں گا جو میری بیوی بنے گی۔ اور تب سے آج تک وہ کنگن میں نے سنبھال کے رکھا ہے "

اسکی یہ بات سن کے مجھے بڑی حیرانی ہوئی

"ارے! تو پھر کوئی ملی نہیں جسے وہ کنگن پہنا سکو؟ " میں نے پھر سے سوال کیا

"زندگی میں بہت لڑکیاں آئیں اور گئیں لیکن اس کنگن کی صحیح حقدار مجھے نہیں ملی "

باتیں کرتے کرتے ہم واپس پہنچ گئے۔ اس نے مجھے ڈراپ کیا اور ہم دونوں اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ پر کافی دیر تک اسکی وہ کنگن والی بات میرے دماغ میں گھومتی رہی۔ میں نے اسکا یہ روپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پر اچھا لگا کہ کچھ لڑکے ایسے بھی ہوتے ہیں۔

اگلے کچھ دن حماد کی اور میری ملاقات نہیں ہو پائی، میں آفس کے کاموں میں الجھی تھی اور وہ بھی مصروف تھا۔ ایک رات اچانک اسکی کال آئی اور وہ بولا کہ اسے مجھ سے ایک ضروری کام ہے۔ پوچھنے پہ اس نے بتایا کی اسکے والدین شادی کے لیے زور دے رہے ہیں لیکن وہ کسی ایسی لڑکی سے بالکل شادی کرنے کے حق میں نہیں جسے وہ جانتا اور سمجھتا نہ ہو۔ میں نے اسے سمجھایا کہ کرنی تو ہے شادی، پھر اپنے والدین کی مرضی سے کرنے میں کیا مسئلہ ہے؟ بجائے میری بات سمجھنے کے اس نے میرے اوپر ایک ذمہ داری ڈال دی کی میں اسکے لیے لڑکی دیکھوں۔ لیکن اس لڑکی سے بھی شادی کے لیے ہاں وہ اس صورت میں کرے گا جب

تک اسے اچھی طرح سے جان نہ لے۔ اسکی یہ بات سن کر میں سوچ میں پڑ گئی اور اپنے دماغ کے گھوڑے دوڑانے لگی کہ میرے جاننے والوں میں سے کونسی ایسی لڑکی ہو گی جو حماد کے لیے اچھی بیوی ثابت ہو سکے۔ میں نے اس سے کچھ دن کا ٹائم مانگ لیا

کافی سوچ بچار کرنے کے بعد میرے ذھن میں جو لڑکی بار بار آ رہی تھی وہ میری آفس کولیگ 'نیلم' تھی۔ جس نے حال ہی میں میرے آفس میں جاب شروع کی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے ہی وہ دوبئی سے آئی تھی۔ ماڈرن خیالات والی لڑکی تھی، شاید اسی لیے مجھے وہ حماد کے لیے ٹھیک لگ رہی تھی۔ ایک دن باتوں باتوں میں مَیں نے نیلم سے شادی کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی کہ ابھی کچھ سوچا نہیں کوئی پسند آیا تو پھر ہی کچھ ہو گا۔ میں نے حماد کے بارے میں تھوڑا اسے بتایا اور اس بات کے لیے راضی کیا کہ وہ ایک بار اس سے مل لے اگر پسند آجائے تو ٹھیک ورنہ آگے دیکھا جائے گا۔ میرے اسرار پہ وہ مان گئی۔

اس دن آفس سے گھر آ کے میں نے حماد کو کال کی اور نیلم کے بارے میں بتایا پہلے تو وہ حیران ہوا، جیسے اسے امید ہی نہیں تھی کہ میں سچ میں اسکے لیے لڑکی ڈھونڈ لوں گی۔ خیر پھر وہ بھی اس سے ملنے کے لیے راضی ہو گیا۔ میں نے نیلم سے بات کر کے ایک دن مقرر کیا جب ان دونوں کی ملاقات کرانی تھی۔

میں نیلم کو لے کے اس مقررہ ریسٹورنٹ پر پہنچی جہاں حماد نے آنا تھا۔ حماد کو پہنچنے میں تھوڑی دیر لگ گئی۔ میں اس بات کو محسوس کر رہی تھی کہ نیلم کچھ اکتائی ہوئی سی تھی، جیسے بس میری ضد مان کے آگئی ہو۔ حماد پہنچا تو میں نے دونوں کا اچھے طریقے سے تعارف کرایا۔ ہم نے کھانے کا آرڈر دیا۔ پہلے اِدھر ادھر کی باتیں چلتی رہی۔ لیکن وہ دونوں ایکدوسرے سے کم اور مجھ زیادہ مخاطب ہو رہے تھے۔ میں نے ذرا سمجھداری دیکھائی اور ضروری کال کا بہانہ کر کے تھوڑی دیر کے لیے انھیں اکیلا چھوڑا تاکہ وہ بات کر سکیں۔ میں واپس لوٹی تو وہ دونوں ایکدوسرے سے کافی گھل مل چکے تھے۔ نیلم کے لہجے میں ایک خاطر خواہ تبدیلی مجھے محسوس ہوئی۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ دونوں ایک دوسرے میں دلچسپی لے رہے تھے۔

کئی بار زندگی میں کافی چیزوں کا احساس وقت گزرنے کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ مجھے بھی ہوا، مجھے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ حماد میری زندگی کا ایک خاص حصہ بن چکا ہے، جسے اب میں نے کسی اور کے ساتھ شئیر کرنا تھا۔ جب میں حماد کو کال کرتی تو اکثر اسکا نمبر مصروف ملتا تھا، باہر گھومنے نکلتے تو اپنا آپ ان دونوں کے بیچ بے جوڑ سا لگتا تھا۔ ان کے پاس کرنے کے لیے باتیں بہت تھیں اور میں بس ہاں میں ہاں ملاتا ایک روبوٹ بن گئی۔ کبھی کبھی خود پہ غصہ آتا

کہ میں یہ سب کر کیوں رہی ہوں۔ کئی بار کوشش کی کے ان دونوں سے تھوڑا فاصلہ رکھتی ہوں۔ لیکن نہیں کر پائی، حماد مجھے کہیں جانے ہی نہیں دیتا تھا۔

کبھی کبھی مجھے نیلم کا رویّہ بہت عجیب لگتا۔ جب بھی میں حماد اور اسکے ساتھ ہوتی تو تب تو وہ بہت نارمل ہوتی تھی۔ لیکن آفس میں اسکا مجھے نظر انداز کرنا سمجھ سے باہر تھا۔ میں انکے بیچ میں خود کو گھٹا گھٹا محسوس کرنے لگی۔ کئی دن تک میں نے یہ سب برداشت کیا، تب جا کے اپنے آپ سے ہی ایک فیصلہ کیا کہ ایک دم سے ان سے دور جانا شاید مناسب نہ ہو اس لیے آہستہ آہستہ اپنے آپکو ان سے دور کرنے لگی۔ حماد اکثر مجھے اور نیلم کو آفس کے بعد پِک کرتا تھا اور میں آدھے رستے ہی امّی کی خراب طبیعت کا بہانا کر کے ان سے جان چھڑا لیتی۔ یا پھر کبھی لانگ ڈرائیو کا پلان بنتا تو میں آفس سے چھٹی کر لیتی اور حماد سے معذرت کرتی کہ گھر میں ضروری کام ہے۔

ایک دن آفس میں مَیں اپنے کام میں مصروف تھی، اچانک ہی نیلم میرے کیبن میں آئی۔ میں اس دیکھ کے حیران ہوئی کیونکہ کئی دن ہو گئے تھے، ہمارے بیچ بس دور کی ہی سلام دعا رہ گئی تھی۔ کئی بار اور لوگوں نے اس بات کو محسوس کیا کہ اسکا رویّہ میرے ساتھ عجیب سا تھا۔ خیر میں نے اسے بیٹھنے کو بولا اور وہ بیٹھ گئی

"تم اب ہمارے ساتھ باہر نہیں نکلتی، یہ اپنی اہمیت جتانے کے لیے ہے یا پھر سچ میں اتنی مصروف ہو گئی ہو؟"

اس نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا

"ارے نہیں یار، آجکل امّی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تو گھر کی ذمہ داری بھی خود ہی اٹھانی پڑ رہی ہے۔ بس اسی لیے ہی۔۔۔۔۔۔"

میں نے اسے صفائی دینے کی کوشش کی

" میں نے تمہارے بارے میں ایک خاص بات محسوس کی ہے "

اس نے میری طرف دیکھا

"اچھا۔۔۔۔! تو کیا بات محسوس کی تم نے؟ "

میں نے مسکرا کے پوچھا

"جب تم نہیں ہوتی، تب بہت زیادہ ہوتی ہو، اور تمہارا نہ ہو کے بھی ہونا میری الجھن بڑھاتا ہے، تم ایک فاصلے کے جیسی ہو جو میرے اور حماد کے بیچ میں حائل ہے"

یہ کہہ کے وہ وہاں سے اٹھ کے چلی گئی، اور میرے اندر کئی نئے سوالوں نے جنم لیا۔ اسکا اشارہ میں اچھی طرح سے سمجھ گئی تھی۔ اور تبھی میں نے حماد سے دور جانے کی رفتار اور تیز کر دی۔ اسکو مسلسل نظر انداز کرنا، اسکی کال نہ اٹھانا اور نہ ہی میسج کا جواب دینا بہت مشکل تو

ہو رہا تھا لیکن میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ کئی بار حماد نے مجھ سے پوچھنے کی کوشش کی کہ آخر مجھے ہوا کیا ہے، میں پہلے جیسی بن گئی ہوں۔ اور اکثر میں اسے روکھے انداز میں جواب دیتی تو وہ چپ رہ جاتا۔

اپنی ذاتی چیز جو آپکے لیے بہت خاص بھی ہو، کسی اور کے حوالے کر دینا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بہت زیادہ مشکل۔ بالکل ایسے جیسے اپنی ذات کے ساتھ جنگ ہو رہی ہو۔ دل کچھ کہے اور دماغ کا فیصلہ کچھ اور ہو تو انسان دل اور دماغ کے بیچ میں اٹک سا جاتا ہے۔ اور شاید یہی انسان کی اپنے آپ سے ہار ہوتی ہے۔ اور یہ ہار سب سے پہلے ہنسی چھینتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ سب کچھ۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھ خالی رہ جاتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی میرے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔

ایک فائل پہ کام کرتے کرتے میں اتنی مگن تھی، مجھے پتا ہی نہیں چلا کے آفس کی ایک کولیگ میرے ساتھ کب سے آ کے بیٹھی تھی۔ میں اسے دیکھ کے ایک دم سے چونکی

"ارے! تم کب آئی؟" میں نے سوال کیا

"میں تو کب سے ہی ہوں یہاں پہ، آپ آجکل کس دنیا میں ہیں؟ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

"ایسے ہی بس آجکل کام کا بوجھ زیادہ ہے۔اسی لیے۔۔۔۔۔۔"میں نے جواب دیا تو وہ بولی

"اتنی مصروف ہو کہ اپنی دوست نیلم کی خوشی میں بھی شرکت نہیں کی۔۔۔۔" اسکا انداز تنزیہ تھا

"میں سمجھی نہیں، نیلم کی کونسی خوشی؟؟؟ " میں حیران ہوئی کہ وہ کس بارے میں بات کر رہی تھی

"تمہیں سچ میں نہیں پتا؟ کل تمہارے دوست حماد کی سالگرہ ہے نا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا

"اوہ! ہاں۔۔۔مجھے یاد ہی نہیں رہا، تھینک یو تم نے یاد دلایا، اب اسے ٹائم سے ہی وش کروں گی، پر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"میں نے اس سے پوچھا

"ارے بابا، حماد کل نیلم کو شادی کے لیے پروپوز کر رہا ہے، اسی خوشی میں تو اس نے سب کے لیے پزہ منگایا"

وہ تو یہ کہہ کے چلی گئی۔ لیکن میں شاید ایک سمندر میں ڈوبنے لگی تھی۔

مجھے تو خوش ہونا چاہیے نا؟ میں نے تو ان دونوں کو ملایا تھا۔ پر میں خوش نہیں تھی۔ کیوں؟ کیا ہو گیا ہے مجھے؟ مجھ سے یہ بات برداشت کیوں نہیں ہو رہی؟؟ کئی سوال میرے دل دماغ پہ

حاوی تھے۔ میں اپنے آپکو سمجھنے سے ہی قاصر تھی۔ میں نے ٹائم دیکھا تب رات کے گیارہ پچپن تھے۔ میں اسے برتھ ڈے وِش کروں یا نہ کروں اسی کشمکش میں تھی تب پورے بارہ بجے اور میں نے ہیپی برتھ ڈے کا میسج ٹائپ کر کے سینڈ کر دیا ایک دم سے جواب آیا

"محترمہ ! ایسے تو میں آپکی وِش نہیں لینے والا آپکو مجھ سے پہلے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔۔۔۔۔"

"کیسا وعدہ؟؟" میں نے جواب میں ٹائپ کیا

"کل شام آفس سے کے بعد تم میرے ساتھ چلو گی جہاں میں کہوں گا، وعدہ کرو" اس نے میسج کیا

"نہیں یار میں نہیں آسکوں گی، کل گھر میں بہت کام ہے" میں نے بہانا کیا

"ٹھیک ہے۔ پھر اپنی برتھ ڈے وِش بھی پاس رکھو، نہیں چاہیے" وہ مجھ سے ناراض ہو گیا میں اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن میں کیا کرتی، میں جانتی تھی کہ وہ نیلم کو پرپوز کرنے والا ہے اس لیے مجھے بلا رہا ہے۔ میں نے اپنے آپکو سمجھایا کہ یہ صحیح نہیں ہے، مجھے جانا چاہیے۔ اور تب ہی میں نے حامی بھری اور یہی طے ہوا کہ وہ مجھے آفس سے پِک کرے گا نیلم نے آفس سے چھٹی کی تھی، سب ہی جانتے تھے کہ اس کی چھٹی کرنے کی کیا وجہ تھی۔ شام میں مَیں آفس سے نکل کے باہر آئی۔ جیسے روڈ پہ پہنچی تو میں نے حماد کے ساتھ جانے کا

فیصلہ ترک کیا اور ایک رکشے کو روکا تا کہ اسکے آنے سے پہلے ہی وہاں سے چلی جاؤں۔ اس سے پہلے کہ میں رکشے میں بیٹھتی۔ مجھے آواز آئی

"محترمہ! آپ کچھ بھول رہی ہیں " میں نے مڑ کے دیکھا تو وہ میرے پاس کھڑا تھا۔ اب میرا کوئی بہانا نہیں چلنے والا یہ سوچ کے میں اسکے ساتھ چل پڑی۔

اس نے ایک ریسٹورنٹ میں فیملی ٹیبل بک کیا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ نیلم وہاں پہلے سے موجود ہو گی۔ لیکن نیلم وہاں موجود نہیں تھی۔ میں نے اپنے بیگ سے ایک گفٹ نکالا اور اسکی طرف بڑھا دیا۔ اس نے بولا کہ اتنی بھی کیا جلدی ہے ابھی رکو۔ اور تبھی نیلم وہاں پہنچی۔ مجھے دیکھ کے اسکے تیور تھوڑے سے بدلے لیکن حماد کی وجہ سے شاید کنٹرول کر گئی۔

حماد نے کیک کا آرڈر دیا ہوا تھا، مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ یہاں پہ کیک کاٹنے والا ہے۔ اس نے کیک کاٹا اور ہم دونوں نے اپنے اپنے گفٹس اسے دیے۔ میں اور نیلم ایک دوسرے کو پوری طرح سے نظر انداز کر رہے تھے۔ اچانک حماد نے دو گفٹ پیک نکالے ایک مجھے تھمایا اور ایک نیلم کو۔ میں حیران ہوئی کہ سالگرہ اسکی ہے اور گفٹ بھی وہ دے رہا ہے۔ اور تبھی وہ بولا

"آج میری زندگی کا ایک خاص دن ہے اور تم دونوں میرے لیے بہت خاص ہو اس لیے بہت سوچ سمجھ کر میں نے یہ گفٹس تمہیں دیے ہیں۔ یہ گفٹس ہی نہیں بلکہ ان میں میرے

زندگی کی کچھ خاص چیزیں بھی ہیں جواب میں نے تمہارے حوالے کر دیں۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اسے میرے سامنے نہیں کھولا جائے گا "

میں سمجھ سکتی تھی کہ ضرور اس گفٹ پیک کے ذریعے ہی وہ نیلم کو پرپوز کر رہا ہو گا۔ اور اس بات میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ مجھے اس نے کیا گفٹ دیا ہے۔ بہت مشکل سے میں نے وہ وقت گزارا اور وہاں سے کھانا کھانے کے بعد گھر کی طرف نکلی۔ پتا نہیں کہاں سے آنسو کے چند قطرے میری آنکھوں سے ٹپک پڑے

میں نے امّی سے کہا کہ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اسی لیے جاتے ساتھ ہی میں اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ دل پہ ایک بوجھ تھا۔ کیا چیز تھی جو مجھے توڑ رہی تھی۔ میں پھوٹ پھوٹ کے روئی۔ پہلی بار میں اپنے آپکو اتنا اکیلا محسوس کر رہی تھی۔ آج کچھ ایسا مجھ سے چھن گیا تھا جسکے خاص ہونے کا احساس مجھے بہت دیر بعد ہوا تھا۔ میں ٹوٹ گئی اور مزید ٹوٹنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اسی رات اپنے آفس ای میل کر کے ایک مہینے کی چھٹی اپلائی کی۔ اور اگلے دن صبح صبح ہی میں نے امّی کو بتایا کہ میں کچھ دنوں کے لیے خالہ کے گھر جا رہی ہوں۔ امّی حیران ہوئیں لیکن مان گئیں۔ میں اپنے شہر سے اور ان سب لوگوں سے دور اپنی خالہ کی طرف چلی گئی۔ خود کو دوبارہ جوڑنے کے لیے یہی ایک راستہ تھا میرے پاس۔

میں نے وہاں پہنچتے ہی اپنا نمبر بند کر دیا۔ تا کہ حماد یا پھر کوئی اور مجھ سے رابطہ نہ کر پائے۔ میں تِل تِل بکھر رہی تھی اور کوئی سنبھالے والا نہیں تھا۔ میں قریب بائیس دن وہاں رہی۔ لیکن اس درد میں ذرا برابر بھی کمی نہ آئی، تھک ہار کے آخر کار واپس لوٹی۔

ایک بات تو صاف تھی جسے آج تک میں دوستی سمجھتی آئی تھی وہ دوستی نہیں دراصل پیار تھا۔ کب، کیسے، کہاں مجھے حماد سے پیار ہو گیا میں خود نہیں سمجھ پائی۔ احساس تب ہوا جب وہ میرا نہیں کسی اور کا ہو چکا تھا۔ اور میں اپنے آپکو اسی بات پہ کوستی رہی کے کاش ایک بار میں اسے بتا پاتی کہ وہ میرے لیے کیا ہے۔ اسکے بغیر میری زندگی کیا ہے۔ وہ میری بے رونق زندگی میں رنگ بن کے آیا تھا اور اب پھر سے میری زندگی بے رنگ تھی۔

چھ مہینے گزر گئے اور اسکے لیے میرے دل میں نہ تو محبت کم ہوئی اور نہ ہی وہ آگ بجھی جو اندر ہی کہیں سلگتی رہی۔ میں دوبارہ کبھی آفس نہیں گئی بلکہ خالہ کے گھر سے ہی جاب چھوڑنے کی ای میل آفس والوں کو بھیج دی تھی۔ محبت انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی، رات رات بھر کرچیاں ہوتے رہو اور صبح اٹھ کے وہی کرچیاں جوڑنے کی کوشش کرو اور پھر سے رات ہو جائے اور پھر سے ٹوٹ جاؤ۔ بس یہی ایک کام بچتا ہے جو دن رات جاری رہتا ہے۔ اندر ہی اندر مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ حماد اور نیلم کی شادی ہو گئی ہو گی۔ لیکن اتنی کبھی ہمت نہیں ہوئی کہ کسی سے اس بارے میں دریافت کر سکوں۔ سارہ کے ساتھ بھی رابطہ

بہت پہلے ختم ہو گیا تھا۔ خیر اتنی دعا تھی کہ وہ جہاں رہے جس کے ساتھ رہے خوش رہے۔ یہی تو کرتے ہیں محبت میں ہارے لوگ جو میں کر رہی تھی۔ باہر سے مظبوط دکھنے والے بزدل لوگ۔۔۔۔۔۔۔۔

امّی مجھے بہت عرصے سے شادی کے لیے زور دے رہی تھیں اور میں ہر بار انھیں منع کرتی رہی۔ لیکن انھوں نے اپنی کوشش جاری رکھی اور ایک دن مجھے ہار ماننی ہی پڑی۔ ان کی ضد پہ میں نے ہاں کر دی۔ کچھ دن بعد امّی نے بتایا کہ کل کچھ لوگ ہمارے گھر مجھے دیکھنے کے لیے آرہے ہیں اور مجھے اچھی طرح سے تیار رہنا چاہیے۔

کیسے اپنے اندر کی جنگ کو بند کر دوں؟ کیسے سامنا کروں ان اجنبی لوگوں کا؟ میرے لیے یہ بہت بڑا امتحان تھا۔ عجیب ہی کشمکش تھی۔ سوچوں میں ڈوبی میں اپنے گھر کے سٹور روم میں ایک پرانی کتاب ڈھونڈ رہی تھی جو کب سے نہیں مل رہی تھی۔ سب کچھ اوپر نیچے کرتے میرے نظر ایک گفٹ پیک پہ پڑی۔ اور تب ہی یاد آیا وہ گرد سے اٹا گفٹ پیک حماد نے آخری بار مجھے دیا تھا جسے میں نے کبھی نہیں کھولا تھا۔ اسکی گرد صاف کر کے میں اپنے روم میں لے کے گئی۔ اسکی ایک سائیڈ پھٹی ہوئی تھی، شاید اتنے سارے سامان کی نیچے دب کے پھٹ گیا ہو گا۔ وہ حماد کی آخری نشانی تھی میرے پاس، بڑی ہمت کر کے میں نے اسے کھولا۔

میں گھٹنوں کے بل زمیں پہ بیٹھ گئی۔ جیسے کسی نے میری روح نکال دی تھی۔ اور کسی پتھر کی مورت کے جیسے میں بے حس و حرکت تھی میری آنکھوں کے سامنے کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا

"تم کہتی ہو نا! کہ تم ایک عام سی لڑکی ہو۔ پر عام سی لڑکی کی وہ گہری آنکھیں مجھے اپنی طرف کیوں کھینچتی ہیں۔ تم سادہ ہو پھر بھی تمہاری سادگی میں ایک جادو ہے جو مجھے تم سے دور نہیں جانے دیتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم سے پیار پہلی نظر میں ہوا پر جب بھی ہوا مجھے خود پتا نہیں چلا۔ اتنی شدت سے ہوا کہ اب تمہارے بغیر جینا ناممکن ہے۔ کئی بار تمہیں بتانے کی کوشش کی۔ پر ہر بار ہمت کم پڑ جاتی۔ آج کہہ دونگا، یہ فیصلہ تو بہت بار کیا لیکن اس پہ قائم نہیں رہ پایا۔ پر آج ہمت بھی ہے اور موقع بھی۔ میں تمہیں اپنی زندگی میں لانا چاہتا ہوں۔ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟؟؟ میرا یہ کنگن اتنے سالوں سے جسکی کلائی کے انتظار میں تھا، وہ تم ہو۔ میں نہیں جانتا تمہارا جواب کیا ہو گا، اگر ہاں ہو تو یہ کنگن اپنی کلائی میں پہن لینا۔ اور اگر نہ ہو تو بھی یہ کنگن تمہارے نام کیا۔ تمہارے جواب کا انتظار رہے گا۔ زیادہ دیر مت کرنا، مجھ میں صبر نہیں ہے "

تمہارا ٹیکسی والا

حماد

میرے ہاتھ میں وہ کنگن تھا

ایک چیخ جو جگر کو زخمی کر رہی تھی، گلے تک پہنچتے پہنچتے دم توڑ گئی۔ جیسے زمیں گھومتے گھومتے ایک دم سے رک گئی ہو۔ جیسے ہر چیز بے جان ہو چکی ہو۔ جیسے نہ سننے کی حس بچی ہو اور نہ بولنے کی۔ جیسے آنسوؤں کے سمندر میں طوفان آیا ہو لیکن اخراج کے سبھی راستے بند ہو چکے ہوں۔ کچھ ایسی ہی حالت میری بھی تھی۔ اس سب کا ذمہ دار کون تھا؟ مدعی بھی میں مجرم بھی، گواہ بھی میں اور وکیل بھی، جج بھی جلاد بھی میں۔

صبح ہوئی تو امّی نے میری سرخ آنکھیں دیکھ کے طبیعت کا پوچھا۔ کیا بتاتی کہ رات بھر ایک صحرا میں طوفان آیا اور میں ریت کے ٹیلوں میں دھنستی چلی گئی تھی۔ مجھے دیکھنے کے لیے دوپہر میں ان لوگوں نے آنا تھا۔

اپنے مردہ جسم پہ میں نے رنگدار لباس کی نمائش کی اور چائے کی ٹرے لیے سر جھکائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی میں ان لوگوں کے سامنے پہنچی۔ میری آنکھوں کا نور بھی چلا گیا تھا شاید تبھی تو دیکھ نہیں پائی، کون لوگ ہیں کتنے لوگ ہیں۔ بس آگے بڑھ رہی تھی۔ ٹرے ٹیبل پہ رکھا اور چائے کا ایک کپ بنا دیکھے ایک طرف بڑھایا

"محترمہ! ذرا دھیان سے، آپکا ہاتھ نہ جل جائے"

خاموشیوں کو توڑتی یہ آواز کتنی جانی پہچانی تھی، میں نے سر اٹھا کہ دیکھا، تو ایسا لگا کہ اب جاگتے جاگتے خواب دیکھ رہی ہوں۔ اپنے آپکو سمجھاتے ہوئے، نہیں یہ نہیں ہو سکتا، یہ بس

آنکھوں کا دھوکہ ہے، بنا پلکیں جھپکائے میں اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور تبھی وہ آگے بڑھا اور میرا ہاتھ تھام کے بولا

"کہا تھا نا زیادہ انتظار مت کرانا، صبر نہیں ہے مجھ میں، پھر بھی تم نے اتنا وقت لیا"

اسکی آنکھیں نم تھیں، اور تبھی احساس ہوا کہ میں اب بھی زندہ ہوں

مجھ سے پہلے میری ماں نے اسکا وہ گفٹ پیک کھول کے سب دیکھ لیا تھا، اور تبھی سارہ کے ذریعے حماد سے انھوں نے رابطہ کیا اور ان لوگوں کو ہمارے گھر بلایا تھا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ میں ہر درد چھپانے میں کامیاب رہی ہوں پر یہ بھول گئی کہ ماں ایسے ہی ماں نہیں بن جاتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں جا کے اپنی ماں سے لپٹ گئی۔

ختم شد